Publisher: Faculty of Arabic & Islamic Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad
Website: https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jmi
Vol.25 Issue: 01 (Junary – June 2026)
Date of Publication: **30**- JUNE 2026
HEC Category, **Y**: (202**6**-202**7**)

eISSN: 2664-0171,
pISSN: 1992-8556

معارفِ اسلامی

Title	تقلید شخصی: اسباب، اختلاف اور راہ اعتدال کا تعین Specific Imitation: Reasons, Differences And The Determination Of A Balanced View
Authors & Affiliations	**Usama Hashmi** Lecturer, COMSATS University, Islamabad, Wah Campus
Dates	***Received :*** 24-02-2026 ***Accepted:*** 10-04-2026 ***Published:*** 30-06-2026
Page	***18-30***
Citation	
Copyright	تقلید شخصی: اسباب، اختلاف اور راہ اعتدال کا تعین Specific Imitation: Reasons, Differences And The Determination Of A Balanced View *(Verification)*
Publisher	Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan https://aiou.edu.pk/

Indexing & Abstracting Agencies

IRI(AIOU)	HJRS(HEC)	Tehqiqat	Asian Indexing	Research Bib	Atla RDB	SIS

تقلید شخصی: اسباب، اختلاف اور راہ اعتدال کا تعین

SPECIFIC IMITATION: REASONS, DIFFERENCES AND THE DETERMINATION OF A BALANCED VIEW

ABSTRACT

The research analyzed the differences among the Muslim Jurists regarding the Specific Imitation (al-Taqlīd al-Shakhsī) and presented a balanced view thereof. Initially the research has identified four main reasons of transformation of the Muslim society from first Diligence (Ijtihād) to Absolute Imitation (al-Taqlīd al-Mutlaq) and then to the Specific Imitation (al-Taqlīd al-Shakhsī). These reasons include: (i) Lack of coherence in judicial process, (ii) Creation of al-Fiqh al-Taqdiri, (iii) Unnecessary and prolonged discussions and differences among the Jurists, and (iv) Degradation of intellectual level in later generations of Muslim Jurists. In the context of permissibility of Imitation, the research has identified two main areas: Imitation in Definite (Qat'i) Aḥkām as well as in Probable (Zanni) injunctions. In Qat'i Aḥkām, the scholars are divided into three group with respect to opinion: (i) Imitation is obligatory, (ii) Imitation is allowed without obligation, and, (iii) Imitation is prohibited. Similarly, in Zanni Aḥkām, the opinion of the Muslim Jurists is divided into four categories: (i) Specific Imitation is obligatory, (ii) It is allowed without obligation, (iii) Specific Imitation is allowed only in case of four traditional schools of jurisprudence (namely Ḥanafī, Mālikī, Shāfiʿī and Hanbalī), and (iv) Specific Imitation is prohibited. After a thorough analysis of the Juristic opinions in the Definite and Probable injunctions, the research has concluded that the matter of Specific Imitation changes from situation to situation which can be summarized as: (i) For collective matters, it is necessary to follow the Specific Imitation, (ii) For general public, which is usually unfamiliar with underlying reasoning and logic, it is recommended to follow the Specific Imitation, and (iii) For a person who is familiar with underlying reasoning and logic of Jurisprudential problems, it is appropriate to follow Diligence instead of Specific Imitation.

Keywords: Fiqh, Jurisprudence, Taqlīd, al-Shakhsī, Imitation, Diligence, Ijtihād.

تمہید

فقہ کا آغاز دور نبوی سے ہی ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس ضمن میں مجتہد اول کے منصب پر فائز ہیں۔ ایسے تمام معاملات جن میں وحی نازل نہ ہوتی، آپؐ انہیں اجتہاد کے ذریعے حل فرماتے تھے۔[1] آپؐ کی حیات طیبہ میں صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا کہ وہ پیش آمدہ مسائل میں نبی اکرم ﷺ سے راہنمائی لیتے اور بوقت ضرورت خود بھی اجتہاد کیا کرتے تھے۔[2] البتہ بدوی تمدن اور سادہ طرز معاشرت کے باعث اس دور میں مشکل اور پیچیدہ مسائل سامنے نہیں آئے۔ نتیجتاً اس دور میں فقہ موجود ہونے کے باوجود اسلامی فقہی نظام اپنی مخصوص حالت میں نظر نہیں آتا۔ اجتہاد کی ٹھوس بنیاد خلافت راشدہ میں پڑنی شروع ہوئی۔ دور صحابہ میں بھی اگرچہ اصول فقہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی البتہ صحابہ نہ صرف فقہی اصولوں سے واقف تھے بلکہ انہیں کی بنیاد پر اجتہاد کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحابہ نے انہیں اصولوں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے اختلاف بھی کیا۔ مثلاً بعض صحابہ نماز میں بسم اللہ پڑھتے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔ جو بسم اللہ پڑھنے کے قائل تھے ان میں بھی سراً اور جہراً پڑھنے کا اختلاف تھا۔ نیز کچھ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے اور کچھ نہ پڑھتے۔[3]

فروعی مسائل کی طرح بعض اعتقادی مسائل میں بھی صحابہ کا اختلاف تھا، مثلاً مردوں کا قبر میں سننا،[4] رسول اللہ ﷺ کا شب معراج میں اللہ کا دیدار کرنا[5] وغیرہ۔ لیکن اس کے باوجود وہ نہ صرف ایک دوسرے کو برسرحق سمجھتے تھے بلکہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز بھی ادا کرتے تھے۔[6]

اسی طرح اس دور میں افراد کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ اس امر کا اہتمام نہیں کرتے تھے کہ اپنے تمام مسائل کا حل کسی معین صحابی، فقیہ یا مذہب کی روشنی میں تلاش کریں۔ انہیں بوقت ضرورت جو بھی صحابی یا فقیہ میسر ہوتا، وہ اسی سے اپنا مسئلہ دریافت کر لیتے۔[7] ابتدائی دو صدیوں میں لوگوں کا یہی رویہ رہا۔ البتہ دور عباسیہ میں جب یہی طرز عمل قضاۃ نے اختیار کیا تو اس کے نتیجے میں مسائل پیدا ہونے لگے۔ ایک ہی قسم کے مقدمات میں مختلف علاقوں کے قاضی مختلف فیصلے کرنے لگے جس کے باعث معاشرہ اور عدالتی نظام تشتت وافتراق کا شکار ہو گیا۔[8]

ان مسائل کے حل کے لیے فقہا نے اپنے اپنے فقہی مذہب مدون کیے۔ فقہی مذاہب کی تدوین کے بعد یہ مسئلہ تو حل ہو گیا لیکن اس نے ایک نئے مسئلے کو جنم دیا کہ افراد بتدریج تقلید اور مذہب معین پر عمل کرنے لگے۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد تقلید شخصی کا دور دورہ ہوا اور لوگ اپنے اپنے مسلک پر ہی اکتفا کرنے لگے، نتیجتاً تقلید شخصی کا وجود سامنے آیا۔[9]

تقلید شخصی کے سلسلے میں علما میں اختلاف واقع ہوا اور بعض نے اسے واجب اور بعض نے حرام قرار دیا۔ فقہا کے اسی اختلاف کے باعث عام افراد میں بھی تقلید کے سلسلے میں اختلاف ہوا اور وہ مختلف گرہوں میں بٹ گئے۔ یہی گروہ دورِ حاضر میں مختلف فرقوں کی صورت میں سامنے آئے جن میں سے بعض تقلید کو جائز قرار دیتے ہیں اور بعض ناجائز۔ چنانچہ اس اختلاف کو حل کرنے کے لیے اس مقالے میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ تقلید شخصی پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے اسباب کو بیان کیا جائے اور فقہا کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے راہ اعتدال کا تعین کیا جائے تاکہ فرقوں کے مابین موجود دوریوں کو کم کیا جا سکے۔

تقلید شخصی کے اسباب:

تقلید کا مسئلہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے ہاں اہمیت کا حامل رہا ہے۔ جب مسلمانوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کرکے اس عمل کو روک دیا تو اسی دوران تقلید کو واجب قرار دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں آگے بڑھ کر تقلید شخصی کو واجب قرار دیا گیا اور انتقال مذہب کی ممانعت کر دی گئی۔[10] تقلید شخصی کو جن اسباب کی بنا پر لازم قرار دیا گیا، ان میں چند ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ ابتدا میں تقلید کو انتظامی ضرورت کے تحت اختیار کیا گیا۔ جیسے کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب عباسی دور میں قضاۃ نے تقلید مطلق کو اختیار کیا اور ایک ہی طرح کے مقدمات میں مختلف فیصلے کرنے لگے تو نتیجتاً معاشرے میں انتشار پھیل گیا۔ جیسے کہ اگر ایک شخص کو حیرہ میں ایک مقدمے میں موت کی سزا سنا دی جاتی تو کوفہ میں اسی طرح کے مقدمے میں اس کے مخالف فیصلہ دیا جاتا۔[11] چنانچہ ان حالات میں ابن مقفع نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو خط لکھا اور نظام قضا میں ایک قانون کی پیروی نہ ہونے کے باعث پیدا ہونے والی خرابیوں کا ذکر کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ قاضیوں کی لیے ایک قانون مدون کر دیا جائے تاکہ معاشرتی وعدالتی انتشار سے بچا جا سکے۔[12] قضاۃ کا ایک مدون قانون کی پیروی نہ کرنا اور اس کے نتیجے میں نظام قضا میں خرابیاں پیدا ہونا، اس امر کا باعث بنا کہ ایک قانون مدون کرکے اسے رائج کر دیا جائے۔ یہ امر پہلے تقلید اور پھر تقلید شخصی کے آغاز کا باعث بنا۔

۲۔ عباسی دور کے یہ حالات (جن کا ذکر ابن مقفع نے اپنے خط میں کیا) اس امر کا باعث بنے کہ فقہا اس نکتے کی طرف متوجہ ہوئے کہ معاشرتی انتشار کے سدباب کے لیے قضاۃ کو ایک قانون مدون کرکے دے دیا جائے جس کی روشنی میں وہ تمام فیصلے کریں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا اور فقہ حنفی کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی تقلید میں دیگر فقہا نے بھی اپنے اپنے فقہی مذاہب مدون کر لیے۔ ان مذاہب میں نہ صرف موجودہ مسائل کا حل پیش کیا گیا بلکہ مستقبل میں پیش آسکنے والے مسائل کو بھی فرض کرکے ان کے حل پیش کر دیے گئے۔ اس کے

نتیجے میں فقہ تقدیری وجود میں آئی جس نے اجتہادی عمل کے دائرہ کار کو محدود کر دیا اور رفتہ رفتہ تقلید شخصی کا دور دورہ ہو گیا۔[13]

۳۔ تقلید شخصی کی ایک وجہ متاخرین فقہا کے مناظرے ومجادلے بھی تھے۔ تقلید رائج ہونے کے بعد متاخرین فقہا رفتہ رفتہ مناظروں ومجادلوں میں مشغول ہو گئے۔ ان مناظروں میں علما کا طرز عمل یہ ہو تا کہ اگر کوئی فقیہ ایک رائے دیتا تو اس کی تردید میں دوسرا فقیہ اپنی رائے پیش کر دیتا۔ جس کے باعث علما ایک لامحدود اور لایعنی مناظرے میں پڑ جاتے جسے ختم کرنے کے لیے متقدمین ائمہ کی آرا کا سہارا لیا جاتا۔ لہذا ایسے حالات میں اس معاشرتی انارکی کو دور کرنے کے لیے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا اور تقلید شخصی کو واجب قرار دے دیا گیا۔[14]

۴۔ صحابہ اور متقدمین فقہا کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ کسی مسئلے میں موجود مختلف ومتباین آرا کو بیک وقت درست سمجھتے اور اس بنیاد پر دوسرے کو غلط قرار نہ دیتے۔ لیکن متاخرین فقہا اس خصوصیت سے عاری تھے اور وہ اختلافی مسائل میں صرف ایک حل کو صحیح اور دیگر کو غلط قرار دینے لگے۔ مزید براں فقہا کے گروہ میں ایسے افراد داخل ہونے لگے جو اس کے علمی معیار پر پورا نہیں اترتے تھے۔ ان نااہل علما نے اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے پر کفر وشرک کے فتوے لگائے، نتیجتاً معاشرے میں تعصبات کا دور دورہ ہو گیا۔ لہذا ان حالات میں اہل علم نے یہ ضروری سمجھا کہ اجتہاد کے عمل کو ملاوٹ سے پاک رکھنے کے لیے اسے فی الحال روک دیا جائے اور لوگوں کو تقلید شخصی کی طرف مائل کیا جائے۔[15]

یہ وہ اسباب تھے جن کی بنا پر فقہا نے اجتہاد کے عمل کو روکنے اور تقلید کو رائج کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس عمل نے علمی انتشار وتعصبات کو حل کرنے میں مدد دی، البتہ تقلید کے نتیجے میں مسلمانوں پر رفتہ رفتہ جمود طاری ہوتا گیا اور ان کی ترقی کا عمل رک گیا۔ چنانچہ زندگی آگے نکل گئی اور قانون اپنے جمود کے باعث پیچھے رہ گیا۔ نتیجتاً اسلامی فقہی نظام میں خلا واقع ہو گیا اور وہ تمدن انسانی کا ساتھ دینے سے قاصر رہا۔

تقلید کا دائرہ کار:

تقلید کے دائرہ اختیار کے سلسلے میں فقہا کا اختلاف ہے کہ کیا اس کا تعلق محض فروعی احکام سے ہے یا اعتقادی احکام میں بھی تقلید کی جا سکتی ہے؟ فقہا عام طور پر فروعی احکام میں تقلید کو جائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ اعتقادی احکام میں تقلید کے سلسلے میں فقہا مختلف الرّائے ہیں۔ بعض اسے واجب قرار دیتے ہیں، بعض حرام اور کچھ فقہا اس شرط پر تقلید کے جواز کے قائل ہیں

کہ اس کے ساتھ ساتھ مقلد اعتقادی مسائل کے دلائل جاننے کی بھی پوری کوشش جاری رکھے گا۔ اس سلسلے میں فقہا کی آرا کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

۱۔ **اعتقادی مسائل میں تقلید جائز نہیں ہے:** بعض علما کی رائے یہ ہے کہ اگر ایک شخص اعتقادی مسائل کو غور و فکر کیے بغیر تسلیم کر لیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اس گروہ میں ابو الحسن اشعری اور معتزلہ وغیرہ شامل ہیں۔ نیز سیف الدین آمدی کی رائے میں جمہور علما کا بھی یہی مذہب ہے۔[16] ان کی دلیل یہ ہے کہ کتاب و سنت نے انسان سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ[17] کائنات میں غور و فکر کر کے اس کے خالق کو پہچاننے کی کوشش کرے:

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾[18]

"جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) کہ اے پروردگار! تونے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو"

نیز صحابہ کرام کے طرز عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اعتقادی مسائل میں نہ صرف غور فکر کیا بلکہ اس سلسلے میں ایک دوسرے سے اختلاف بھی کیا۔ لہٰذا اگر اعتقادی مسائل میں سوچ بچار ممنوع ہوتا تو اس سلسلے میں نہ صرف کتاب و سنت کے واضح احکام موجود ہوتے، بلکہ صحابہ بھی اس طرز عمل سے اجتناب کرتے۔

۲۔ **اعتقادی مسائل میں تقلید جائز ہے:** بعض علما اصولی و اعتقادی مسائل میں تقلید کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں۔ اس گروہ میں عبید اللہ عنبری[19] اور حشویہ[20] وغیرہ شامل ہیں۔[21] ان کے مطابق شارع کی مرضی و منشا یہ ہے کہ انسان حق کے راستے پر چلے، چاہے اس کے لیے وہ اجتہاد کا راستہ اختیار کرے یا تقلید کا کیونکہ اہمیت اس امر کی ہے کہ انسان کون سا راستہ اختیار کرتا ہے اور اس کی جوابدہی بھی اسی بنیاد پر ہو گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾[22]

"اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

سو اگر افراد کو اعتقادی مسائل میں اجتہاد کا مکلف بنا دیا جائے تو یہ تکلیف مالایطاق کے زمرے میں آئے گا۔

۳۔ **اعتقادی مسائل میں تقلید واجب ہے:** یہ نقطہ نظر علمائے حدیث سے وابستہ ہے جو اعتقادی مسائل میں غور و فکر کو حرام قرار دے کر تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں۔ محدثین اور متکلمین کے طریقہ استنباط میں بنیادی فرق یہ ہے کہ

متکلمین کے ہاں عقل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور وہ ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ جب کہ محدثین کے نزیک نقل کو استنادی حیثیت حاصل ہے۔ چونکہ محدثین عقل کو بنیاد نہیں بناتے اس لیے وہ اس کی بنیاد پر نص کو پرکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ محدثین اس امر کو جائز قرار نہیں دیتے کہ اعتقادی مسائل کا فیصلہ عقل کی بنیاد پر کیا جائے۔[23]

۴۔ **ابن ھمام کی رائے:** اس سلسلے میں کمال ابن ھمام مندرجہ بالا گرہوں سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر لوگ اعتقادی مسائل میں غور وفکر نہ کریں اور تقلیداً ان پر ایمان رکھتے ہوں تو وہ مومن تو ہوں گے لیکن تدبر نہ کرنے کے باعث گناہ گار ہوں گے۔ آپ کہتے ہیں:

(صححنا ایمان المقلد، وان اثمناه)[24]

"ہم نے مقلد کے ایمان کو صحیح قرار دیا ہے اگرچہ ہم نے اسے گناہ گار قرار دیا ہے"

امیر بادشاہ کے نزدیک ائمہ اربعہ، سفیان ثوری اور امام اوزاعی کی بھی یہی رائے ہے۔[25] اس سلسلے میں یہ تو مناسب ہے کہ اہل علم کو اعتقادی مسائل میں غور خوض کرنے کا مکلف بنایا جائے لیکن ایک عامی پر یہ ذمہ داری ڈالنا تکلیف مالا یطاق ہے کیونکہ وہ اس کی اہلیت نہیں رکھتا اور اہلیت نہ ہونے کی بنا پر کسی کو ایمان سے خارج کر دینا درست نہیں ہے۔

تقلید شخصی میں فقہا کا اختلاف:

کیا تمام مسائل میں کسی ایک ہی امام یا فقہی مذہب کی پیروی جائز ہے؟ اور اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو تقلید شخصی میں راہ اعتدال کیا ہے؟ اس مسئلے کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ تقلید شخصی واجب ہے:

کمال ابن ھمام بحوالہ ابو عبد اللہ زرکشی لکھتے ہیں کہ تقلید شخصی واجب ہے۔[26] جو علما اس کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر مقلد اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کر لے تو وہ گناہ گار ہو گا، چاہے یہ انتقال بر مبنی اجتہاد ہی کیوں نہ ہو۔[27] اس گروہ کے نزدیک چونکہ کسی مسئلے میں ایک وقت میں ایک ہی رائے درست ہو سکتی ہے، چنانچہ اگر مقلد اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف چلا جاتا ہے تو گویا اس نے حق کو ترک کر دیا۔ نیز بعض اوقات ایک ہی مسئلہ مختلف فقہی مذاہب میں مختلف طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ سو اگر مقلد کبھی ایک فقہ پر عمل کرے اور کبھی دوسری پر تو اس سے یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس کا پہلا عمل درست تھا یا دوسرا؟ لہٰذا اگر تقلید شخصی کو ضروری نہ قرار دیا جائے تو اس کے نتیجے میں معاشرے میں تقوی

وعزیمت کا رجحان متاثر ہوگا اور لوگ مختلف مذاہب کی رخصتیں جمع کر کے ان پر عمل کرنے لگیں گے۔ نتیجتاً جو امور مباح قرار پائیں گے ان کی چند مثالیں یہ ہیں:

(الف) انگور کے علاوہ دوسری شراب اتنی مقدار میں پینا جس سے نشہ نہ ہو۔

(ب) کم وبیش کر کے سونے کی خرید و فرخت کرنا۔

(ج) روزہ کی حالت میں طلوع آفتاب تک کھانا پینا، وغیرہ۔

مزید براں اگر تقلید شخصی کو واجب نہ قرار دیا جائے تو ہوس پرست لوگ اجتہاد کا لبادہ اوڑھ کر حرام امور کو حلال کرنے کی کوشش کریں گے۔

۲۔ تقلید شخصی بلاوجوب جائز ہے:

جمہور فقہا کی رائے میں تقلید شخصی واجب نہیں ہے، صرف اس پر عمل جائز ہے۔ نووی اور ابن برہان نے اسی کو ترجیح دی ہے۔[28] ابن نجیم کہتے ہیں کہ اگرچہ مذاہب مدون ہوگئے ہیں لیکن پھر بھی تقلید شخصی اور انتقال مذہب جائز ہیں۔[29] شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل لوگ کسی معین مذہب کی خالص تقلید پر مجتمع نہیں تھے۔ چونکہ ایک عام شخص فقہی مسائل اور ان کے دلائل کی گہرائی کو نہیں جانتا اس لیے اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایک فقہی مذہب کی پیروی کرلے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسے مقلد پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ کتاب وسنت کے احکام کو جاننے کی مسلسل کوشش کرتا رہے اور جہاں کہیں اسے نص اور اپنے امام کی رائے میں تضاد نظر آئے، وہ اپنے امام کی رائے کو چھوڑ کر نص کی پیروی کرے۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ نے ائمہ اربعہ کے مندرجہ ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(الف) امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اس شخص کے لیے فتوی دینا جائز نہیں جسے میری رائے کی دلیل معلوم نہ ہو اور کسی کے لیے اس وقت تک دین میں کوئی بات کرنا مناسب نہیں ہے جب تک وہ یہ معلوم نہ کرلے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت اس بات کو قبول کرتی ہے۔

(ب) امام شافعی کہتے ہیں کہ جب میری رائے حدیث کے مخالف ہو تو میری رائے کو دیوار پر دے مارو اور حدیث پر عمل کرو۔

(ج) امام مالک کے مطابق کتاب وسنت کے علاوہ ہر چیز کو رد کیا جاسکتا ہے۔

(د) امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ نہ میری تقلید کرو، نہ مالک کی اور نہ کسی اور کی بلکہ اپنے مسائل کا حل کتاب وسنت سے تلاش کرو۔[30]

۳۔ صرف ائمہ اربعہ کی تقلید جائز ہے:

تقلید شخصی کے سلسلے میں ایک اور رائے یہ ہے کہ صرف ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تقلید جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مذاہب اپنے دلائل سمیت مدون ہو چکے ہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ باقی فقہا کے مذاہب چونکہ مدون نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کے دلائل روز روشن کی طرح عیاں ہیں، اس لیے ان کی تقلید جائز نہیں ہے۔ امیر بادشاہ، ابن ھمام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جس اجماع کا تذکرہ بعض متاخرین نے کیا ہے اس کی بنا پر ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں کیونکہ ان کے مذاہب مدون اور مسائل قید تحریر میں آ گئے ہیں جب کہ دوسرے مذاہب کے متبعین باقی نہ رہنے کے باعث ان کے ہاں ایسا نہیں ہے۔[31]

شاہ ولی اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ امت یا اس کا قابل ذکر حصّہ اس امر پر متفق ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید ہی جائز ہے کیونکہ انہیں کے مذاہب مدون اور تحریر شدہ ہیں اور اس میں ایسی مصلحتیں ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں بالخصوص آج کے دور میں جب کہ ہمتیں کوتاہ ہو گیں، اتباع ھویٰ کا چلن بڑھ گیا اور ہر کوئی اپنی رائے کو ترجیح دینے لگا ہے۔[32]

۴۔ تقلید حرام ہے:

تقلید کے سلسلے میں چوتھی رائے یہ ہے کہ تقلید حرام ہے۔ اسے حرام قرار دینے والوں میں ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ شامل ہیں۔ ان علمانے نہ صرف تقلید کا انکار کیا بلکہ اسے شرک قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات ہیں:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾[33]

"انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو خدا بنالیا"

﴿بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ﴾[34]

"بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راستے پر پایا ہے اور ہم انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں"

نیز کتاب اللہ نے اختلاف کے موقع پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ کسی امام کی طرف:

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾[35]

"پھر اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو"

ابن حزم تقلید شخصی کی مخالفت میں لکھتے ہیں کہ جو شخص ائمہ کی تقلید کرتا ہے اور کتاب وسنت کے کسی حکم پر اس وقت تک عمل نہیں کرتا جب تک اسے اپنے امام کی رائے کے مطابق نہ کرلے تو ایسا شخص اجماع امت کی مخالفت کا مرتکب ہے۔ ابتدائی تین

زمانوں میں جب کوئی امام نہیں تھا اور لوگ کتاب وسنت کی پیروی کرتے تھے تو بعد میں ان ائمہ کی تقلید کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ ائمہ اربعہ نے بھی اپنی اور کسی دوسرے کی تقلید سے منع کیا ہے۔ نیز یہ بات ناقابل فہم ہے کہ عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عائشہ صدیقہؓ کو چھوڑ کر بعد کے ادوار کے علما کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ اگر تقلید جائز ہوتی تو ان حضرات کی تقلید کو اولی حیثیت حاصل ہوتی۔[36]

راہ اعتدال کا تعین:

مندرجہ بالا بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقلید شخصی واجب ہے اور نہ ہی حرام ہے۔ تقلید شخصی کے واجب نہ ہونے دلیل ائمہ اربعہ کے مندرجہ بالا اقوال ہیں جن میں انہوں نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے۔ اس سے ابو عبداللہ زرکشی کی اس رائے کی بھی نفی ہو جاتی ہے کہ تقلید شخصی کے وجوب پر اجماع ہو چکا ہے۔ اسی طرح تقلید شخصی کے حرام ہونے کی رائے بھی درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے بیشتر مسائل ایسے ہیں جو براہ راست کتاب وسنت میں موجود نہیں ہیں۔ ایک عامی صرف کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر ان مسائل پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان مسائل کے حل کے لیے ائمہ مجتہدین کے مذاہب کو سامنے رکھے جنہوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں انہیں حل کیا۔ یہ فقہی مذاہب بعض مسائل میں ایک دوسرے سے متضاد و متباین حل پیش کرتے ہیں۔ ایک عام فرد جس میں فقہ کے دلائل و مسائل کو گہرائی سے جانچنے کی اہلیت نہیں ہوتی، ان متضاد آرا کو دیکھ کر مخمصے کا شکار ہو جاتا ہے اور اسے یہ فیصلہ کرنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ ان میں سے کس رائے پر عمل کرے اور کسے چھوڑ دے۔ چنانچہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی ایک دبستان فقہ سے وابستہ ہو جائے۔

امر واقع یہ ہے کہ تقلید کی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت انتظامی ہے۔ اگر کسی معاشرے میں نکاح، طلاق، خرید و فروخت، عدالتی اور معاہداتی امور کسی ایک متعین قانون کے تحت نہ ہوں تو وہ معاشرہ انارکی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عبادات میں اگر ہر شخص اپنے اپنے طریقے کے مطابق عبادت ادا کرے تو ان کی اجتماعیت فرقہ بندی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ معاشرے کو منظم رکھنے کے لیے لوگ ان تمام امور میں جن کا تعلق نظم معاشرت سے ہے کسی ایک فقہی مسلک پر عمل کریں اور اگر یہ تقلید ہے تو اس کے بغیر چارہ کار نہیں۔ البتہ اس سلسلے میں مناسب یہ ہے کہ صرف ائمہ اربعہ ہی کے مذاہب کی پیروی کی جائے کیونکہ دیگر مذاہب کے برعکس ان کے مسالک اپنے دلائل و براہین کے ساتھ مدون ہو چکے ہیں۔ البتہ کسی شخص کو اپنے ذاتی معاملات میں تقلید شخصی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس میں اس احتیاط کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ اگر ایسا شخص مذاہب کے مسائل و دلائل سے واقف نہیں ہے تو اس کے لیے کسی ایک فقہی

مذہب کے اندر رہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ کیونکہ وہ مسالک کے باہمی اختلاف کو دیکھ کر ایسی الجھن کا شکار ہو سکتا ہے جو اس کے دل میں مذہب کے سلسلے میں شکوک وشبہات پیدا کر دے۔ لیکن اگر مقلد مذاہب کے دلائل سے واقف ہے تو نجی معاملات میں اسے آزادی حاصل ہے کہ وہ جس بھی فقہی مذہب کو اولی سمجھتا ہے اسی سے وابستہ ہو جائے۔ نیز اگر ایک فقہی مذہب کے اندر رہتے ہوئے اسے کسی مسئلے میں دوسرے مسلک کے دلائل قوی معلوم ہوں تو وہ اس مسئلے میں دوسرے مذہب پر عمل کر سکتا ہے۔ چونکہ وہ دلائل سے واقف ہے اس لیے مذاہب کے باہمی اختلافات کو دیکھ کر الجھن کا شکار نہیں ہوتا اور شریعت اسلامیہ کے اندر رہتے ہوئے اپنے مسائل کو مناسب طور پر فقہی مذاہب کی روشنی میں حل کرتا رہتا ہے۔

نتیجہ:

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ:

۱۔ اجتماعی معاملات میں افراد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک متعین قانون کی پاسداری کریں۔

۲۔ مسائل ودلائل سے ناواقف افراد کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ نجی معاملات میں کسی ایک فقہی مذہب کے اندر رہتے ہوئے راہنمائی حاصل کریں۔

۳۔ جو افراد مسائل ودلائل سے واقفیت رکھتے ہیں، ان کے لیے اولی ہے کہ وہ قوی دلائل پر عمل کریں نہ کہ تقلید پر۔

---

1 مثلاً خانہ کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر لوٹانے کے بجائے اصل حالت پر باقی رکھنا (ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی۔ الجامع المختصر۔ ریاض: دار الاسلام للنشر والتوضیع، ۱۹۹۹ء۔ کتاب الحج عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی الصلاۃ فی الحجر، حدیث ۸۷۶)، حرم کی حدود میں اذخر کو مستثنی قرار دینا (نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب۔ المجتبی من السنن۔ طبع اول، ریاض: دار الاسلام للنشر والتوضیع، ۱۹۹۹ء۔ کتاب مناسک الحج، باب حرمۃ مکۃ، حدیث ۲۸۷۴۔)، کھجور کی پیوند کاری سے پہلے منع فرمانا اور بعد میں اجازت دے دینا (ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی۔ السنن۔ طبع اول، ریاض: دار الاسلام للنشر والتوضیع، ۱۹۹۹ء۔ کتاب الرھون، باب تلقیح النحل، حدیث ۲۴۷۱۔) وغیرہ۔

2 حضرت عمار بن یاسرؓ کو سفر کے دوران غسل کی حاجت پیش آئی تو وہ زمین پر لوٹ پوٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ صرف تیمم کرنا کافی تھا (نسائی۔ المجتبی من السنن۔ کتاب الطھارۃ، باب التیمم فی الحضر، حدیث ۳۱۳۔)

3 حضرت عمرؓ، علیؓ، ابو موسی اشعریؓ، انسؓ، ابن عباسؓ، براء بن عازبؓ، عمر بن عبد العزیز، ابان بن عثمان وغیرہ فجر میں قنوت پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ سے اس کے خلاف بھی روایت ہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ، عثمانؓ، ابو درداءؓ، ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ وغیرہ فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ (طبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید۔ تھذیب الآثار وتفصیل الثابت عن رسول اللہ من الاخبار، قاہرہ: مطبۃ المدنی، ت۔ن۔ ج ۱ ص ۳۴۸۔)

4 حضرت ابو ہریرہؓ مردوں کے سننے کے قائل تھے جب کہ حضرت عائشہؓ کی رائے اس کے برعکس تھی۔ (بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح۔ طبع دوم، ریاض: مکتبہ دار الاسلام للنشر والتوضیع، ۱۹۹۹۔ کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، حدیث ۱۳۷۰/ ۱۳۷۴۔)

5 حضرت عبد اللہ بن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کا اللہ کو دیکھنے کے قائل تھے جب کہ حضرت عائشہؓ قائل نہیں تھیں۔ (بخاری۔ الجامی الصحیح۔ کتاب التفسیر، باب سورۃ والنجم، حدیث ۴۸۵۵۔)

6 حضرت عثمانؓ کا منی میں چار رکعات نماز پڑھانا اور صحابہ کا اختلاف کے باوجود آپؓ کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کی واضح مثال ہے۔ (بخاری۔ الجامی الصحیح۔ کتاب التقصیر، باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر، حدیث ۱۰۸۲۔)

7 دھلوی، شاہ ولی اللہ۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف۔ بیروت: دار النفائس، ۱۴۰۴ھ۔ ص ۲۲۔

8 ان حالات میں ابن مقفع نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے نہ صرف اس مسئلہ پر روشنی ڈالی بلکہ یہ حل بھی تجویز کیا کہ قاضیوں کے لیے قانون مدون کیا جائے تا کہ اس عدالتی انتشار سے بچا جا سکے۔ (ابن المقفع، عبد اللہ۔ آثار ابن المقفع۔ باب رسالہ فی الصحابہ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۹ء۔ ص ۳۰۹)۔

9 دھلوی، شاہ ولی اللہ۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف۔ ص ۸۷۔

10 ابن ھمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد۔ فتح القدیر۔ مصر: دار الفکر، ت۔ن۔ ج ۷ ص ۲۵۷۔

11 حیرہ کوفے سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (مقالہ نگار)

12 ابن مقفع، عبد اللہ۔ آثار ابن المقفع۔ باب رسالہ فی الصحابہ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۹ء۔ ص ۳۰۹۔

13 گیلانی، مناظر احسن۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔ ممبئی: مکتبہ الحق، ت۔ن۔ ص ۵۶۔

14 دھلوی، شاہ ولی اللہ۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف۔ ص ۹۳۔

15 دھلوی، شاہ ولی اللہ۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف۔ ص ۹۳۔

16 آمدی، ابو الحسن علی۔ الاحکام فی اصول الاحکام۔ طبع اول، بیروت: دار الکتب العربی، ۱۴۰۴ھ۔ ج ۴ ص ۲۲۳۔

17

18 القرآن، آل عمران ۳:۱۹۱

19 عبید اللہ العنبری کی ولادت ۱۰۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا تعلق بنی تمیم سے تھا۔ آپ نے بطور قاضی، فقیہ اور محدث شہرت پائی۔ آپ کے اس قول نے فقہا میں شہرت پائی کہ "عقلیات میں تمام مجتہدین کی رائے درست ہوتی ہے"۔ آپ نے ۱۶۶ھ میں بصرہ میں وفات پائی (زرکلی، خیر الدین بن محمود۔ الاعلام۔ طبع پندرہ، بیروت: دار العلم للمابیین، ۲۰۰۲ء۔ ج ۴ ص ۱۹۲)۔

20 حشویہ فرقہ مرجیہ کی شاخ ہے۔ انہوں نے تمام احادیث کا ایک حکم ٹھرایا۔ ان کے نزدیک فرض ترک کرنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسا نفل ترک کرنے کا۔ ان کا نام حشویہ اس لیے ہوا کہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ قرآن میں الم، طس، حم وغیرہ حروف مقطعات محض زائد اور بے معنی حروف ہیں۔ نیز جو آیات عذاب کا خوف دلانے والی ہیں وہ محض دھمکی ہے (ابن جوزی، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد۔ تلبیس ابلیس۔ طبع اول، بیروت: دار الفکر للطباعہ والنشر، ۲۰۰۱ء۔ ص ۲۱)۔

21 آمدی، ابو الحسن علی۔ الاحکام فی اصول الاحکام۔ ج ۴ ص ۲۲۳۔

22 القرآن، آل عمران ۳:۱۹۱

23 آمدی، ابو الحسن علی۔ الاحکام فی اصول الاحکام۔ ج ۴ ص ۲۲۳۔

24 ابن امیر الحاج، ابو عبد اللہ محمد بن محمد۔ التقریر والتحریر فی علم الاصول۔ بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۳ء۔ ج ۳ ص ۳۴۲۔

25 ابن امیر الحاج، التقریر والتحریر فی علم الاصول۔ ج ۳ ص ۳۴۳۔

26 امیر بادشاہ، محمد امین۔ تیسیر التحریر۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۳ء۔ ج ۴ ص ۲۴۷۔

27 ابن ھمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد۔ فتح القدیر۔ ج ۷ ص ۲۵۷۔

28 شوکانی، محمد بن علی بن محمد۔ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول۔ طبع اول، شام: دار الکتب العربی، ۱۹۹۹ء۔ ج ۲ ص ۲۵۲۔

29 ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم بن محمد۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق۔ طبع ثانی، دہلی: دار الکتب الاسلامی، ت۔ن۔ ج ۶ ص ۲۹۲۔

30 دھلوی، شاہ ولی اللہ۔ عقد الجید فی احکام الاجتھاد والتقلید۔ قاہرہ: المطبعۃ السلفیۃ، ۱۳۸۵ھ۔ ص ۶۔

31 امیر بادشاہ، تیسیر التحریر۔ ج ۴ ص ۲۵۶۔

32 دھلوی، شاہ ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ طبع اول، بیروت: دار الجیل، **۲۰۰۵**ء۔ ج **۱** ص **۲۶۳**۔

33 القرآن، التوبۃ**۹:۳۱**

34 القرآن، الزخرف**۴۳:۲۲**

35 القرآن، النساء**۴:۵۹**

36 دھلوی، شاہ ولی اللہ۔ عقد الجید فی احکام الاجتھاد و التقلید۔ ص **۴**۔